حافظ عبد الغنی محمدی / مولانا امیر حمزہ

طلبہ کی نفسیاتی، روحانی اور اخلاقی تربیت
ایک فکری نشست کی روئیداد

فی زمانہ جہاں طلباء کی ہمتیں پست اور ارادے شکست وریخت کا شکار ہیں، وہیں اساتذہ بھی پہلے جیسے اہل نہیں رہے۔ اساتذہ طلباء کو پڑھانا تو شاید اپنا فرض سمجھتے ہیں، لیکن طلبہ کی نفسیات کو سمجھ کر ان کی اخلاقی وروحانی تربیت بالکل نہیں کرتے۔ یہی غیر تربیت یافتہ طلباء جب فضلاء بنتے ہیں تو بجائے فائدہ کے نقصان کا باعث ہوتے ہیں، اپنی تربیت نہ ہونے کے سبب معاشرہ کی تربیت سے بالکل عاری ہوتے ہیں، نتیجتاً معاشرے کی صحیح خطوط پر تربیت کے فرض کو کماحقہ پورا نہیں کر پاتے ہیں۔

اس تناظر میں الشریعہ اکادمی کے زیر اہتمام ۲ر اکتوبر کو علماء، فضلاء اور اساتذہ کے لیے ’’طلبہ کی نفسیاتی، اخلاقی اور روحانی تربیت‘‘ کے عنوان سے ایک فکری نشست منعقد ہوئی جس میں مولانا جہانگیر محمود، (ڈائریکٹر سوسائٹی فار ایجوکیشنل ریسرچ لاہور)، مولانا محمد یوسف خان صاحب استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اور پروفیسر عبد الماجد حمید المشرقی بطور مہمان خصوصی تشریف لائے۔ نشست کا آغاز اکادمی کے طالب علم عاصم شبیر کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد اکادمی کے ایک طالب علم عبداللہ ریاست نے نعت رسول مقبول ﷺ پڑھی اور پھر مولانا جہانگیر محمود صاحب کا انتہائی فکر انگیز بیان ہوا۔

مولانا جہانگیر محمود کی گفتگو

مولانا نے فرمایا کہ بندہ کوئی کام متواتر کرے تو انسانی نفسیات کا حصہ ہے کہ قدر اور جذبہ ایک جیسا نہیں رہ سکتا ہے۔ امام غزالیؒ کا فرمان ہے کہ انسان جب متواتر عبادت کرتا رہتا ہے تو عبادت، عادت بن جاتی ہے، اس لیے انسان کی طبیعت کے لیے ضروری ہے کہ اعادہ اور تکرار سے اپنے جذبہ میں نیا پن پیدا کرے۔ ایک مرتبہ مجھ پر پریشانی آگئی۔ میں سخت پریشان تھا۔ ایک دوست کو دعا کا کہا تو اس نے کہا کہ خود کرو۔ میں نے کہا کہ خود تو روز کرتے ہیں۔ تو وہ دوست فرمانے لگے کہ جیسے کرنی چاہیے، ویسے کرو۔ صبح سے شام تک پڑھا پڑھا کر ہر چیز یاد ہو جاتی ہے، لیکن وہ جذبہ، جوش اور لگن نہیں رہتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان باتوں کو دہرائیں۔ تدریس سے بڑا کام کوئی نہیں ہے۔

بہت ملکوں کا سفر کیا، ہر جگہ پر اس پیشے کے منسلک لوگوں کے حالات بہت اچھے نہیں ہوتے۔ مدرسین کا انتخاب اللہ پاک کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں اور یہ سب سے بڑی ذمہ داری بھی ہے، اس کی تکمیل میں حساس ہونا پڑے گا۔ منصب کے ساتھ ذمہ داری اور جواب دہی بھی ہوتی ہے۔ اترانے کی بجائے جھکاؤ پیدا کرنا ذمہ داری کا احساس ہے۔ عادت میں تجدید کس طرح پیدا کی جائے؟ اس کا ایک مستقل جز تزکیہ ہے۔ ہمارے دین، تہذیب اور تربیت کا جز ہے۔

تدریس رسول میں سب سے نمایاں چیز محبت تھی۔ صحابہ کا عشق، محبت، ایثار اور لگن اصل میں حضور ﷺ کی شفقت کا ردعمل تھا۔ حضور کی محبت کا بدلہ محبت کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ پیار مجبوری اور زبردستی میں نہیں ہوسکتا۔ عبادات: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ تو زبردستی ممکن ہے، لیکن محبت ممکن نہیں ہے۔

فتح مکہ میں جو سب جھک گئے تھے تو اس کی وجہ بھی حضور کی شفقت اور محبت تھی، تلوار کے زور پر ان لوگوں کو جھکانا ممکن نہ تھا۔ حضور کیسے شفیق تھے، یہ بات حضرت جابر کے واقعہ سے سمجھ آتی ہے۔ حضرت جابر کی شادی سے قبل ان سے اونٹ خریدا، رقم دے دی۔ بعد میں رخصت کرتے ہوئے اونٹ بھی تحفہ میں دے دیا۔ ایسا مدد کرنے کے لیے کیا، ویسے قیمت نہیں دی تاکہ عزت نفس مجروح نہ ہو۔ حضور کس قدر حساس ہیں۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور مسکرا کر ملتے تھے، لیکن آج نہ مسکرانے کو تقویٰ کے قریب سمجھ لیا گیا ہے۔ حضور نہ صرف خود محبت کرتے تھے بلکہ صحابہ کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ابن مسعود کو فرمایا کہ تمہارے پاس دور دور سے طلباء آئیں گے، تم ان کا خیال رکھنا۔ حضرت ابن مسعود طلباء کا استقبال کرتے تھے۔

محبت ردعمل کا نام ہے، تدریس کے نظام میں اس عمل کی وہ اہمیت نہیں رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ رات کو اٹھ کر طلباء کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک کمرے میں لائٹ چل رہی ہے اور ایک طالب علم جاگ رہا ہے۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ طالب علم حقہ کا عادی ہے اور حقہ کے بغیر نیند نہیں آرہی ہے۔ حضرت نے خود حقہ لاکر دیا کہ ابھی پی کر سو جاؤ۔ مولانا کفیل بخاری نے حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کا یہ واقعہ سنایا۔ شاہ صاحبؒ قاری رحیم بخشؒ کے شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب کی جب حضرت قاری رحیم بخشؒ سے ملاقات ہوئی تو قاری صاحب معافی مانگنے لگے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری پٹائی کی، لیکن اصلاح کے علاوہ کوئی جذبہ نہ تھا۔ قاری صاحبؒ کا یہ مشہور قول ہے کہ استاد کو ہاتھ اٹھانے کا کوئی حق نہیں جب تک چالیس روز تک اس بچے کی اصلاح کے لیے تہجد میں اٹھ کر مانگ نہ چکا ہو۔ مارا تب جائے جب مار کے علاوہ دوسرے تمام طریقے استعمال کر چکے اور اس کو آخری حربے کے طور پر استعمال کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ حالت تھی کہ کفار کے ایمان کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگا کرتے تھے۔ فلعلك باخع نفسك اسی لیے نازل ہوئی تھی۔ غم اور غصہ میں فرق ہے، حضور کو غم تھا، غصہ نہیں۔ طلباء کے لیے دعا کریں اور دعا سب سے پہلے ہے، آخری چیز نہیں ہے، مزید برآں زبان میں نرمی پیدا کریں۔

جس طرح کے استاد سے پڑھنا چاہتے ہیں، اس طرح کے بن جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ”لایؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیه ما یحب لنفسه“ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں

ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

مولانا محمد یوسف خان کا بیان

مولانا جہانگیر محمود کے بعد مولانا محمد یوسف خان صاحب کا بیان ہوا۔ مولانا نے اپنے بیان میں دیگر قیمتی باتوں کے ساتھ اساتذہ کے لیے اکیس رہنما اصول بیان فرمائے۔ مولانا نے فرمایا کہ شاگرد استاد سے زیادہ نفسیات سے واقف ہوتے ہیں۔ نفسیات کتابوں یا فن کا نام نہیں ہے۔ ایک جگہ چند بچے تھے جو ریاضی پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے، بہت سے استاذ ان کے لیے بدلے گئے، لیکن نتیجہ وہی رہا۔ بالآخر ایک ماہر نفسیات کو بلایا گیا، ماہر نفسیات نے کتابوں کو بند کر کے شاگردوں کو خرگوش، مرغیاں اور بطخوں وغیرہ سے کھلانا شروع کر دیا۔ کافی دن جب یونہی گزر گئے تو استاد نے سوچا، اب مانوس ہو چکے ہیں تو اس نے ایک دن کہا کہ دیکھو ڈربے میں کتنی مرغیاں اور باہر کتنی ہیں۔ تو ایک بھائی دوسرے سے کہنے لگا، لگتا ہے ریاضی پڑھانے آیا ہے۔

ایک استاد کو اپنے اندر چند خصوصیات پیدا کرنی چاہییں، تبھی وہ ایک کامیاب استاد بن سکتا ہے۔ یہ خصوصیات اور اصول ہمارے بزرگ سکھاتے ہیں اور اخلاقیات میں بھی پڑھائے جاتے ہیں۔

اخلاص: اچھا استاذ اپنے پیشے کے ساتھ مخلص ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیشے کے ساتھ جس قدر بے لوث ہوگا، اس کی دلچسپی اسی قدر بڑھتی جائے گی اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹیں اتنی ہی کم ہوتی چلی جائیں گی۔ اخلاص وہ جوہر ہے جس سے عمل میں لذت، تبدیلی اور احساس پیدا ہوتا ہے۔

تقویٰ: علم اور تقویٰ کا باہم گہرا تعلق ہے، اسی وجہ سے قرآن پاک میں خشیت الٰہی کا مدار ''علم'' کو قرار دیا گیا ہے۔ تقویٰ کمال کا ہو، تقویٰ سے طلباء کے دل میں عزت و احترام پیدا ہوتا ہے اور مدرس کی زبان میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

عملی نمونہ: طلبہ اپنے استاذ کو دیکھ کر اپنی عادات تبدیل کریں گے، کہنا نہیں پڑے گا۔ طلبہ استاذ کی ایک ایک بات باریک بینی سے نوٹ کرتے ہیں۔ ایک دن میری گھڑی خراب ہوگئی، بیوی کی گھڑی پہن کر چلا گیا۔ دوران درس میری پوری کوشش رہی کہ گھڑی کپڑوں میں چھپی رہے۔ دن گزر گیا، بات آئی گئی ہوگئی۔ کچھ مدت بعد ایک طالب علم سے بات ہو رہی تھی۔ وہ درسگاہ میں میری کسی بات کا حوالہ دے رہا تھا اور مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے مزید استفسار کیا تو اس نے کہا ''استاد جی جس دن آپ لیڈیز گھڑی پہن کر آئے تھے''۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ طلبہ کتنی گہرائی سے استاد کو پڑھتے ہیں، بلکہ پڑھنے کے بعد اسے یاد رکھتے ہیں اور دوسروں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

تلاوت کا معمول: قرآن مجید کی تلاوت روزانہ کی جائے۔ قرآن کریم بہترین ذکر ہے اس لیے روزانہ اس کی اونچی آواز میں تلاوت کرے۔

ذکراللہ: مسنون اذکار کیے جائیں کیونکہ خود بھی دل کو زندہ رکھنا ہوگا تب ہی تربیت ممکن ہے۔

شکر: شکر کی کیفیت پائی جائے۔ قلبی، لسانی اور عملی تینوں طرح کا شکر ہونا چاہیے۔ قلبی شکر میں دو چیزیں شامل ہیں:

احترام منعم اور محبت منعم ۔ادارے کا احترام کرتا ہے تو کامیاب مدرس ہے، شاگردوں کے دلوں میں بھی احترام پیدا ہوگا۔اور اگر مہتمم یا ناظم پر تنقید کرتا ہے تو ناکام ترین مدرس ہے ۔لسانی شکر بھی ہونا چاہیے،قرآن کریم میں اس کا حکم ہے۔"واما بنعمة ربك فحدث " ۔اسی طرح دوسری آیت میں ہے"ان اشکر لی ولوالدیك" اور حدیث میں ہے"من لم یشکر الناس لم یشکر الله " ۔شکریہ میں جزاک اللہ اور الحمدللہ کا استعمال کرے۔اور عملی شکر یہ ہے کہ نعمتوں کو ڈھنگ سے استعمال کرے، جو استاذ نعمتوں کا درست استعمال نہیں کرتا، وہ ناشکرا اور ناکام ترین مدرس ہے۔

حیاء: مدرس کو باحیاء ہونا چاہیے۔حیاء کہتے ہیں " انقباض النفس عن القبیح" ناپسندیدہ باتوں سے دل کا تنگ پڑ جانا۔شاگرد استاد کے چہرے سے حیاء کو محسوس کرے جیسا کہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے محسوس کر لیتے تھے جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی۔سوشل میڈیا نے حیاء کو کم کر دیا ہے،غیر شرعی باتوں کو قبیح نہیں سمجھا جا رہا ہے۔استاد میں حیاء ہوگی تو طلباء میں بھی یہ وصف منتقل ہوگا۔

ذمہ داری کا احساس: مدرس کو ایک ذمہ دار انسان ہونا چاہیے، غیر ذمہ دار کا مظاہر کیا جائے تو یہ طلباء میں بھی منتقل ہوتی ہے۔

اچھی صحبت: اچھا استاذ وہ ہوتا ہے جس کا مزاج اچھا ہو،اس کی بیٹھک اچھے لوگوں کے ساتھ ہو،اس کی پہچان اچھی سوسائٹی ہو۔اچھی اور بری صحبت کی مثال حدیث شریف میں عطار اور لوہار کی مانند دی گئی ہے جن کے پاس جانے والا کوئی چیز نہ بھی لے اثرات ضرور پہنچتے ہیں ۔اچھی صحبت کا احساس ہونا چاہیے اور پھر اس کی قدر بھی ہونی چاہیے۔ لوگوں سے خیر خواہی اور اصلاح کا تعلق تو ضرور رکھے مگر دوستی نہیں ۔

صبر وتحمل: صبر کا مادہ کمال کا ہونا چاہیے۔ جتنا صبر کمال کا ہوگا اتنا ہی کمال کا استاد ہوگا۔انبیاء کرام کو اللہ رب العزت نے دعوت اور لوگوں کی اصلاح کے دوران بار بار صبر کی تلقین فرمائی ہے۔

زہد: استاد میں زہد کمال کا ہونا چاہیے، شاگرد کے مال پر اگر استاذ کی رال ٹپک رہی ہو تو شاگرد کی نظر میں ایسا استاذ ٹکے کا نہیں رہتا۔حدیث میں جو آیا ہے" ازهد فی الدنیا یحبك الله وازهد فیما عند الناس یحبك الناس "،اس میں الناس کی جگہ طلبہ کو رکھ کر عملی مشاہدہ کیجیے، پھر ادراک ہوگا کہ کتنی بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

عفو ودرگزر اور وسعت قلبی: ہر معمولی بات پر پکڑ کرنے والا کبھی کامیاب مدرس نہیں بن سکتا، استاد کو اپنے اندر وسعت قلبی پیدا کرنی چاہیے۔اللہ رب العزت بھی اکثر معاملات میں معاف کر دیتے ہیں" ویعفو عن کثیر" ۔

خدمت خلق کا جذبہ: افسوس ہے کہ اس اہم ترین عبادت کو ہم نے شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے، روزمرہ زندگی میں بطور عبادت اس اصول کا اطلاق ہمارے ہاں نادر ہے۔تبلیغ میں جانے والے احباب سفر دعوت میں ہر طرح کی خدمت اکرام مسلم سمجھ کر کرتے ہیں، مگر گھر آتے ہی خدمت انہیں ذلت محسوس ہوتی ہے ۔استاذ اگر اپنے طلبہ کے سامنے خدمت خلق کا عملی نمونہ پیش کرے گا تو ان کے دل میں عظمت بڑھے گی اور وہ خود کام بڑھ چڑھ کر کریں گے۔

اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ بیان کروں گا کہ ضعف اور نقاہت کی وجہ سے چونکہ طبیعت مستعد نہیں رہی، ایک مرتبہ

میں نے کھانا تناول کرنے کے بعد بچوں سے کہا کہ بیٹا دستر خوان اٹھا لو، اتنے میں کیا سنتا ہوں کہ میرا چھوٹا نواسا دروازے سے نکلتے ہوئے کہہ رہا ہے ”خود تو بڑے بیٹھے رہتے ہیں اور ہمیں کام پر لگایا ہوا ہے“۔ ایسے موقع پر اگر بچوں ڈانٹ دیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ فرق پڑے گا کہ یہ یہی بات آپ کے سامنے کہنے سے باز رہیں گے، مگران کے ذہنوں کو آپ صرف اور صرف اپنے کردار سے کھرچ سکتے ہیں۔

قوت وامانت: اچھا پیشہ وہ ہوتا ہے جس میں قوت اور امانت کا وصف بخوبی موجود ہو۔ استاد کی قوت اور طاقت اس کا مطالعہ، علمی رسوخ اور اپنے فن پر دسترس ہے۔ نالائق سے نالائق طالبعلم بھی استاذ کی علمی قابلیت کو اچھی طرح بھانپ لیتا ہے۔ استاذ کی امانت کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ علم کو آگے منتقل کرنے میں کس قدر محتاط اور سخی ہے۔

اخلاقی جراءت: اخلاقی جرات کے بغیر نا کام مدرس ہے۔ اخلاقی جرات اخلاقی اوصاف سے پیدا ہوتی ہے۔

قول وفعل میں مطابقت: استاد کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ جس استاذ کے قول وفعل میں تضاد ہو وہ ایک بدنام اور ناکام مدرس ہے۔

رجائیت: اچھا استاد کبھی مایوس نہیں ہوتا، اس کی مثال اس پھل بیچنے والے کی سی ہے جو اپنے گاہک کے سامنے پھل کی ایسے تعریف ایسی تعریف کرے کہ وہ تھوڑے کی بجائے زیادہ لینے پر مجبور ہو جائے اور اگر وہ خود مایوس ہو تو اس سے کوئی پھل نہ لے گا۔ اسی طرح تعلیم کا معاملہ ہے، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم جس علم کو بیچ رہے ہیں، اس کی قدر خود ہمارے دل میں بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاد کے ذریعے شاگردوں میں مایوسی منتقل ہو رہی ہے۔

وضع قطع: استاد کو چاہیے کہ اپنے باطن کی طرح ظاہر کو بھی اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔ شریعت کے مطابق وضع قطع نہ صرف سنت نبوی کی اتباع ہے بلکہ اس سے آپ باوقار تشخص کی تعمیر کر سکیں گے۔

اخلاص: دینی خدمات محض تنخواہ کے لیے سرانجام نہ دے۔ اس سے چاشنی اور لذت جاتی رہتی ہے۔ اپنے کسی قول و فعل کے ذریعے شاگردوں کے سامنے بھی ایسا تاثر دینے سے باز رہے۔

شاگردوں کے حق میں دعا: اپنے شاگردوں کے لیے ہمیشہ دعا گو رہے۔ یہ عمل اجر اور اخلاص بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ڈاکٹر عبد الماجد المشرقی کی گفتگو

اس کے بعد گوجرانوالہ کی مشہور شخصیت ”مشرق سائنس کالج“ کے بانی وڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر عبد الماجد المشرقی نے خطاب کیا اور درج ذیل معروضات پیش کیں:

تدریس کے بارے میں کہتا ہوں کہ اگر احساس نہ ہو تو دنیا میں اس سے زیادہ آسان کام کوئی نہیں۔ اگر احساس ہو تو دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ تعلیم کو عام کرنا چاہیے، برائے نام نہیں کرنا چاہیے۔ جس کو کوئی جگہ نہیں ملتی، وہ اسکول یا مدرسہ بنا لیتا ہے۔ تعلیم کی اہمیت یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

پچھلے سال دسمبر کی بات ہے، فرانس کی لائبریری میں ہم نے ایک نوجوان کو دیکھا جو مطالعہ میں منہمک تھا۔ تعارف